دستورِ اسلامی یا اسلامی آئین اساسی

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ۔ ھُوَ النَّاصِرُ

دستورِ اسلامی یا اسلامی آئین اساسی

یہ سوال اِس وقت بزور اُٹھ رہا ہے کہ پاکستان کا دستور اسلامی ہو یا قومی؟ اس بحث میں حصہ لینے والوں کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آئین عام اور آئین اساسی میں فرق نہیں سمجھتے۔ آئین اساسی سے مراد وہ قانون ہوتے ہیں جن کی حد بندیوں کے اندر حکومت اپنا کام چلانے کی مجاز ہوتی ہے اور جن کو وہ خود بھی نہیں توڑ سکتی۔ بعض حکومتوں میں یہ آئین معیّن صورت میں اور لکھے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض میں صرف سابق دستور کے مطابق کام چلایا جاتا ہے اور کوئی لکھا ہوا دستور موجود نہیں ہوتا۔ یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ مثال ہے اُن حکومتوں کی جن کا دستور لکھا ہوا ہوتا ہے اور انگلستان مثال ہے اُن حکومتوں کی جن کا دستور لکھا ہوا نہیں اس کی بنیاد تعاملِ سابق پر ہے۔

اسلام نام ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان پر نازل ہونے والی وحی پر ایمان لانے کا۔ پس اسلامی آئین اساسی کے معنی یہی ہوں گے کہ کوئی ایسی بات نہ کی جائے جو قرآن کریم، سنت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے خلاف ہو۔ قرآن کریم ایک غیر مشتبہ دستور العمل ہے، قولِ رسولؐ بلحاظ سند کے ایک اختلافی حیثیت رکھتا ہے، بعض اقوالِ رسولؐ متفقہ ہیں، بعض مختلفہ۔ جو متفقہ ہیں وہ بھی کلام اللہ اور سنت رسول اللہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ جن اقوالِ رسولؐ کے متعلق مختلف فرقِ اسلام میں اختلاف ہے یا ایک ہی فرقہ کے مختلف علماء میں اختلاف ہے ان کا قبول کرنا یا نہ کرنا اجتہاد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اس لئے وہ آئین اساسی نہیں کہلا سکتے۔ اسی طرح قرآن کریم کی آیات میں سے وہ حصہ احکام کا جن کے معنوں میں

اختلاف پیدا ہو جاتا ہے وہ آیتیں تو آئین اساسی میں داخل سمجھی جائیں گی کیونکہ وہ غیر مشتبہ ہیں لیکن اس کے **الف یا ب** کے معنی آئین اساسی کا حصہ نہیں سمجھے جائیں گے بلکہ **الف** کو اختیار کر لینا یا **ب** کو اختیار کر لینا حکومت وقت کے اختیار میں ہوگا۔ پس جہاں تک آئین اساسی کا سوال ہے اگر پاکستان اسلامی آئین اساسی کو اختیار کرنا چاہتا ہے تو اُسے اپنے آئین میں یہ دفعہ رکھنی ہوگی کہ پاکستان کے قوانین جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے قرآن وسنت پر مبنی ہوں گے اور جن امور میں قرآن وسنت سے واضح روشنی نہ ملتی ہوگی اور اجتہاد کی اجازت ہوگی وہاں قرآن کریم، سنت اور کلامِ رسول کی روشنی میں قانون تجویز کئے جائیں گے۔ اگر قانونِ اساسی اسلامی نہیں بلکہ حنفی یا شافعی یا حنبلی یا مالکی بنانا ہوگا تو پھر اُوپر کے قانون میں یہ بھی اضافہ کرنا ہوگا کہ یہ قانون فلاں فلاں فرقہ کے علماء کے اجتہادوں پر مبنی ہوں گے مگر اس خصوصیت کی وجہ سے یہ قانون اسلامی آئین نہیں بلکہ حنفی آئین یا شافعی آئین یا حنبلی آئین یا مالکی آئین کہلانے کے مستحق ہوں گے کیونکہ اسلام کے لفظ میں تو سب ہی فرقِ اسلام شامل ہیں۔

اسلامی اصول پر مبنی گورنمنٹ کے لئے چونکہ انتخاب کی شرط ہے اس لئے اگر اسلامی آئین پر گورنمنٹ کی بنیاد رکھی جائے گی تو مندرجہ ذیل شرائط کو مدنظر رکھنا ہوگا۔

اوّل: حکومت کا ہیڈ منتخب کیا جائے گا۔ انتخاب کا زمانہ مقرر کیا جاسکتا ہے کیونکہ پاکستان کا ہیڈ خلیفہ نہیں ہوگا خلیفہ کو سارے مسلمانوں پر حکومت حاصل ہوتی ہے اور وہ صرف حکومت کا ہیڈ نہیں ہوتا بلکہ مذہب کا بھی ہیڈ ہوتا ہے۔ پاکستان کے ہیڈ کو نہ دوسرے مُلکوں کے مسلمان تسلیم کریں گے اور نہ علماء مذہب کے مسائل میں اُس کو اپنا ہیڈ ماننے کے لئے تیار ہوں گے اس لئے خلافت کے اصول پر اس کے اصول تو مقرر کئے جاسکتے ہیں مگر نہ وہ خلیفہ ہوسکتا ہے نہ خلافت کے سارے قانون اُس پر چسپاں ہو سکتے ہیں۔ خلافت کے اصول یہ ہیں۔

(۱) اُس کا تقرر انتخابی ہو (اس انتخاب کے کئی طریق ہیں لیکن اس تفصیل میں جانے کی اس وقت گنجائش نہیں۔

(۲) وہ مملکت کے کام مشورہ سے چلائے (مشورہ کے لئے اسلام کے تین اصول ہیں (i) عام مسلمانوں سے مشورہ لینا یعنی ریفرینڈم۔ (ii) چند تجربہ کار لوگوں سے مشورہ لینا یعنی

ایگزیکٹو باڈی سسٹم ۔(iii) قوموں کے منتخب نمائندوں سے مشورہ لینا جیسے آجکل کی پارلیمنٹس ہوتی ہیں ۔ یہ تین طریقے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہیں) لیکن جہاں تک خلافت کا سوال ہے خلیفہ مشورہ لینے کا پابند ہے مشورے پر عمل کرنے کا پابند نہیں ۔

پس اگر سوفیصدی خلافت کے اصول پر پاکستان کا آئین بنایا جائے تو حکومت کا ہیڈ ایگزیکٹو ہیڈ ہوگا، ایگزیکٹو کا انتخاب اس کے اپنے اختیار میں ہوگا وہ تمام ضروری امور میں پبلک کے نمائندوں سے مشورہ لے گا لیکن اُن مشوروں پر کاربند ہونے کا پابند نہیں ہوگا ۔لیکن میں پہلے بتا چکا ہوں کہ پاکستان کا ہیڈ خلیفہ نہیں ہوگا کیونکہ نہ ساری اسلامی حکومتیں اس کو ہیڈ تسلم کریں گی نہ علماء اس کو مذہبی ہیڈ تسلیم کریں گے اس لئے ہم خلافت کے پس پردہ جو اصول کارفرما ہیں ان سے روشنی تو حاصل کر سکتے ہیں ان کی پوری نقل نہیں کر سکتے ۔ اور چونکہ خلافت اُس وقت تک قائم نہیں ہوسکتی جب تک دنیا کی سب مسلمان حکومتیں اور افراد اس انتخاب پر متفق نہ ہو جائیں یا اکثریت متفق نہ ہو جائے اور یہ ناممکن ہے اس لئے یہ کہنا کہ پاکستان کا آئین اساسی اسلام پر مبنی ہو درست نہیں ۔ جس طرح انگریزی حکومت کے ماتحت ہمیں شریعت کے وہ احکام نافذ کرنے کا اختیار نہ تھا جو حکومت کے متعلق تھے اور ہم اس کی وجہ سے گنہگار نہیں تھے اسی طرح اسلامی آئین حکومت چونکہ خلافت سے تعلق رکھتا ہے اور خلافت کا قیام مسلمان افراد اور حکومتوں کی اکثریت کے اتفاق کے بغیر ناممکن ہے اس لئے اگر ہم اس نظام کو قائم نہیں کرتے تو ہم ہرگز خدا تعالیٰ کے سامنے مجرم نہیں کیونکہ اس نظام کے قائم کرنے کے لئے جو شرطیں اسلام نے مقرر کی ہیں وہ شرطیں اِس وقت پوری نہیں ہوتیں ۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا پاکستان کی حکومت اسلامی اثر سے بالکل آزاد ہو؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں ۔ جو چیز ہمارے اختیار میں نہ ہو اس کے چھوڑنے میں تو ہم حق بجانب کہلا سکتے ہیں لیکن جو چیز ہمارے اختیار میں ہو اُسے چھوڑنے کا ہمیں کوئی حق حاصل نہیں ۔ انگریزی حکومت میں اگر ہم چور کا ہاتھ نہیں کاٹتے تھے تو ہم گنہگار نہیں ہوتے تھے لیکن اگر ہم نماز نہیں پڑھتے تھے تب ضرور گنہگار ہوتے تھے ۔ اگر ہم ایک زانی کو کوڑے نہیں لگاتے تھے تو ہم

گنہگار نہیں ہوتے تھے لیکن اگر ہم روزے نہیں رکھتے تھے۔تو ہم ضرور گنہگار ہوتے تھے۔ پس جو حصہ ہمارے اختیار میں نہیں اس کے نہ کرنے پر یقیناً ہم پر کوئی الزام نہیں لیکن جو حصہ ہمارے اختیار میں ہے اس کے نہ کرنے پر یقیناً ہم پر الزام ہے۔ اسلامی آئین کے مطابق ہم اپنی حکومت نہیں بنا سکتے کیونکہ اس کے لئے خلافت کی شرط ہے اور خلافت کی شرط کو پاکستان پورا نہیں کرسکتا۔ اسلامی خلیفہ سارے عالَم اسلام کا سردار ہوتا ہے، وہ مذہب اور حکومت دونوں کا سردار ہوتا ہے، وہ سیاست اور انفرادی زندگی کا بھی سردار ہوتا ہے۔ یہ شرطیں پاکستان ہرگز پوری نہیں کرسکتا لیکن جہاں تک قانون سازی اور انفرادی زندگی پر اسلامی احکام کے نفاذ کا سوال ہے اس میں کوئی چیز ہمارے رستے میں روک نہیں بن سکتی۔ پس اگر پاکستان کی کانسٹی ٹیوشن میں مسلمان جن کی بھاری اکثریت ہوگی یہ قانون پاس کر دیں کہ پاکستان کے علاقے میں مسلمانوں کیلئے قرآن اور سنت کے مطابق قانون بنائے جائیں گے ان کے خلاف قانون بنانا جائز نہیں ہوگا تو گو اساسِ حکومت کُلّی طور پر اسلامی نہیں ہوگا کیونکہ وہ ہو نہیں سکتا مگر حکومت کا طریق عمل اسلامی ہو جائے گا اور مسلمانوں کے متعلق اس کا قانون بھی اسلامی ہو جائے گا اور اسی کا تقاضا اسلام کرتا ہے۔ اسلام ہرگز یہ نہیں کہتا کہ ہندو اور عیسائی اور یہودی سے بھی اسلام پر عمل کروایا جائے بلکہ وہ بالکل اس کے خلاف کہتا ہے۔

اس اصولی تمہید کے بعد میں آئین کے لحاظ سے پاکستان کے مستقبل کے متعلق کچھ تفصیلی نوٹ دیتا ہوں۔

آئین کے لحاظ سے پاکستان کا مستقبل بہت عظیم الشان ہے کیونکہ اس کے باشندوں کی کثرت اس منبع آئین میں یقین رکھتی ہے جس کی نسبت خالق جن وانس فرماتا ہے۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ [۱] یعنی میں نے تمہاری ضرورتوں کے تمام مدارج کے لئے قانون بنا دیئے ہیں اور تمہاری ساری ہی ضرورتوں کو قانون کے ذریعے سے پورا کر دیا ہے گویا قرآنی قانون اِن ٹِن سِوْ (INTENSIVE) بھی ہے اور ایکس ٹِن سِوْ (EXTENSIVE) بھی ہے۔

یہ سوال کہ ایک ہی قانون ہمیشہ کی ضرورتوں کو کس طرح پورا کرسکتا ہے؟ اس کا جواب

سمجھنے سے پہلے یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ آئین دو قسم کے ہوتے ہیں رِجڈ (RIGID) اور فلیکسیبل (FLEXIBLE) یعنی غیر لچکدار اور لچکدار۔ غیر لچکدار قانون میں یہ کمزوری ہوتی ہے کہ اُس کو جلد جلد بدلنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے لیکن لچکدار قانون کو فوری بدلنے کی ضرورت نہیں ہوتی...... ان قانونوں کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کپڑے کا کُرتہ اور سویٹر۔ کپڑے کا بُنا ہوا کُرتہ بچے کے بڑھنے کے ساتھ جلدی جلدی تبدیل کرنا پڑتا ہے سویٹر بوجہ لچکدار ہونے کے بہت دیر تک کام آتا رہتا ہے۔ ایسا لچکدار قانون گو دیر تک کام دیتا ہے لیکن اس میں یہ نقص ہوتا ہے کہ وہ کبھی اپنے منبع سے بالکل دور چلا جاتا ہے اور نئی نئی توجیہوں سے آخر اس کی شکل ہی بدل جاتی ہے۔ اسلام بعض حصوں میں انتہائی غیر لچکدار ہے مگر اس کی بعض تعلیمات انتہائی لچکدار ہیں اور یہ اس کا غیر معمولی امتیاز اور غیر معمولی کمال ہے کہ اس کا غیر لچکدار قانون کبھی بھی خلافِ زمانہ نہیں ہوتا اور اس کا لچکدار قانون کبھی بھی ایسی شکل نہیں بدلتا کہ اپنے منبع سے بالکل کٹ جائے اس لئے اسلام ہمیشہ کے لئے قائم رہنے والا قانون ہے۔

اب میں اصل سوال کو لیتا ہوں کہ آخر ایسا کس طرح ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض باتوں کا جواب ''کیوں'' اور ''کس طرح'' سے حل نہیں ہوتا بلکہ چیز کی حقیقت کو دیکھ کر حل ہوتا ہے۔ اسلام کا کوئی حکم بھی ایسا نہیں جو زمانہ کی ضرورتوں سے پیچھے رہ گیا ہو خصوصاً اِس زمانہ کے لحاظ سے تو اسلام کے احکام کی خوبی دوبارہ ثابت ہوگئی ہے۔ طلاق، نکاح بیوگان، قریبی رشتہ داروں سے شادی، شراب کے استعمال کو حرام کرنا یہ وہ چیزیں ہیں جن پر پچھلے سَو سال میں شدت سے اعتراض ہوتا آیا ہے لیکن اب وہی معزز قومیں اور حکومتیں ان قانونوں کو اپنا رہی ہیں۔ کثرتِ ازدواج پر اعتراض ہوتا ہے مگر کیا اس تازہ مصیبت کے بعد بھی مسلمانوں کی سمجھ میں اس کی حکمت نہیں آئی جب ہندوستان میں اسلام کی تبلیغی ترقی رُکی تھی اُس وقت کے مسلمان اگر کثرتِ ازدواج کے ذریعہ سے اسلامی نسل کو بڑھانا شروع کر دیتے تو آج یہ تباہی نہ آتی۔ تمام قانونوں اور تمام اعمال کا خاص خاص زمانہ ہوتا ہے اُسی وقت ان کی قدر جا کر معلوم ہوتی ہے۔ عقائد میں توحید کا مسئلہ لے لو۔ توحید پر دنیا نے کتنے اعتراض کئے لیکن اس صدی میں کیا کوئی مُلک اور کوئی قوم بھی باقی رہ گئی ہے جو توحید کی قائل نہ ہو؟ ان تمام باتوں کو دیکھتے ہوئے

کوئی مسلمان شبہ ہی کس طرح کر سکتا ہے کہ اسلام کے بعض قانون پُرانے ہوئے ہیں۔ آج سے سَو سال پہلے طلاق کا قانون بھی پُرانا تھا، شراب کا قانون بھی پُرانا تھا، جوئے کا قانون بھی پُرانا تھا، نکاح بیوگان کا قانون بھی پُرانا تھا، قریبی رشتہ داروں میں شادی بھی پرانی تھی، اولاد میں جائداد کی تقسیم بھی پُرانی تھی لیکن اب چلاّ چلاّ کر ان باتوں کو دنیا مان رہی ہے۔ کیا یہ بات ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہیں کہ جو دو چار قابلِ اعتراض احکام رہ گئے ہیں وہ بھی اسی طرح حل ہو جائیں گے جس طرح کہ پہلے حل ہوئے۔ جہاں اسلام کے کئی قانون ایسے ہیں کہ جن پر پہلے اعتراض ہوا اور اب دنیا ان پر عمل کرنے لگی ہے وہاں غیر مذاہب کا کوئی بھی حکم نہیں جس کے متعلق یہ کہا جا سکے کہ اسلام کو اسے اپنانے کی ضرورت پیش آئی ہے۔ پردہ کی مثال یہاں چسپاں نہیں ہوتی اور سود کا سوال مختلف ہے کیونکہ سود لینے پر مسلمان بنکوں اور حکومتوں کے قانونی دباؤ کی وجہ سے مجبور ہوتے ہیں لیکن جن غیر مسلم اقوام نے طلاق وغیرہ کے مسائل اختیار کئے ہیں وہ کسی اسلامی دباؤ کی وجہ سے نہیں ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے ان سوالات کو بھی حل کر سکتے ہیں۔ جب بھی مسلمانوں میں سود کے متعلق اسلامی احکام جاری کرنے کا احساس پیدا ہوا ہم یقیناً سود کو مٹا دیں گے، ہم اسے مٹا سکتے ہیں اور اسلامی قانون کی برتری ثابت کر سکتے ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ اس زمانہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ قرآن کریم کی یہ آیت کہ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ [۲] یعنی کفار کے دل میں کئی بار خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کاش وہ بھی مسلمان ہوتے اور اسلامی قانون کی برتری سے فائدہ اُٹھاتے۔ یہ آیت اپنے اندر بڑی بھاری صداقت رکھتی ہے۔ ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اسلام ہر معاملہ میں دخل دے کر عقل انسانی کو معطل کر دیتا ہے یہ اعتراض اسلام پر ہرگز نہیں پڑتا۔ اسلام تو کہتا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ [۳] یعنی ہر معاملہ کے متعلق سوال نہ کیا کرو کیونکہ قرآن کریم میں ہر امر کا بیان ہو جانا تمہارے لئے تکلیف کا موجب ہوگا۔ پس اسلام کا کمال صرف یہی نہیں کہ وہ ہر مسئلہ پر روشنی ڈالتا ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ ایک حاوی تعلیم کے باوجود بہت سی جزئیات کو مسلمانوں کے لئے چھوڑ دیتا ہے تا کہ وہ اُن کے لئے قانون بنائیں۔ اسلام کی تعلیم اس لحاظ سے مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم ہے۔

اوّل: اصولی تعلیم ۔ یہ غیر مبدل ہے اصولی طور پر۔ مبدل ہے حالاتِ مخصوصہ میں ۔ نماز میں بیمار کا بیٹھ جانا یا نماز لیٹ کر پڑھنا، وضو نہ کرنے کی صورت میں تیمّم کر لینا، رمضان کے مہینہ میں سفر یا بیماری کی وجہ سے دوسرے دنوں میں روزہ رکھ لینا یہ سب حالاتِ مخصوصہ کی تبدیلیاں ہیں۔ اس طرح جن ملکوں میں چوبیس گھنٹے سے دن یا رات بڑے ہوتے ہیں ان میں روزہ، زکوٰۃ اور حج کے فرائض کو دوسرے ممالک کے دنوں اور مہینوں پر قیاس کر کے پورا کرنا یہ سب غیر مبدل اصولی حکم کی تبدیلیاں ہیں جو حالاتِ مخصوصہ میں ہو جاتی ہیں۔

دوسرے جزوی تعلیم ۔ یہ کئی قسم کی ہے۔

(الف) غیر معین احکام ہیں جن کی کمیت یا کیفیت افراد یا جماعتوں پر چھوڑ دی گئی ہے جیسے نفلی نماز، نفلی صدقہ، نفلی روزہ، عمرہ۔

(ب) مماثل حالات میں مسائل اخذ کرنے کا حق دیا ہے اس طرح قانون سازوں کے لئے مواقع نکلتے ہیں۔

(ج) جرائم بتائے ہیں سزا تجویز نہیں کی اس طرح بھی قانون سازی کے لئے مواقع نکالے ہیں۔

اسلامی قانون کے اصول یہ ہیں **يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ** [۴]

۱۔ ہر حکم کسی فائدہ کے لئے ہونا چاہئے۔

۲۔ ہر نہی کسی نقصان کے دور کرنے کے لئے ہونی چاہئے۔

۳۔ ہر حکم دینی تزکیۂ ذہن و قلب اور قومی ترقی کے مدنظر ہونے چاہئیں۔

۴۔ **لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا** [۵] کوئی حکم ایسا نہیں ہونا چاہئے جو فرد یا قوم کی طاقت سے بالا ہو۔ یہ طاقت جسمانی بھی ہو سکتی ہے امکانی بھی یعنی ظاہر میں طاقت ہو لیکن امکانی ترقی کو نقصان پہنچا دے اور ذہنی بھی یعنی قوم کی ذہنی قوتوں کو ضائع کر دے۔

۵۔ قانون حریت ضمیر کو مارنے والا نہ ہو۔ **وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ** [۶] اور یہود کی نسبت ہے **وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ** [۷] مسلمانوں کے متعلق فرمایا

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ [8]

۶۔ کوئی حکم فرد یا پارٹی کو نقصان پہنچانے والا نہ ہو۔ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ [9]

۷۔ کوئی حکم یا نفاذِ حکم ایسا نہ ہو کہ کمزوروں کو ترقی سے روکے یا ترقی کے امکانات کو خاص افراد یا اقوام میں محصور کر دے۔ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ [10]

۸۔ کوئی قانون ایسا نہ ہو کہ ایک قوم یا حکومت اُس کے ذریعہ سے دوسری اقوام پر ناجائز فوقیت حاصل کرنا چاہے یا اُسے دبانا چاہے۔ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ [11] اس کے ماتحت زمیندار اور غیر زمیندار میں فرق جائز نہیں۔

اسلام قانون کو فردی پاکیزگی کے ساتھ وابستہ قرار دیتا ہے کیونکہ سوسائٹی کی اصلاح فرد کی اصلاح کے ساتھ وابستہ ہے اور اچھے سے اچھا قانون فرد کے طوعی تعاون کے بغیر اچھا نتیجہ نہیں دے سکتا اِسی لئے اسلام فرماتا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ [12] اس لئے کوئی اسلامی آئین جاری نہیں ہوسکتا جب تک کہ فرد ذاتی احکام پر پہلے عمل نہ کرے۔ اگر قانون کو کامیاب کرنے والی روح نہ ہو تو قانون کیا کر سکتا ہے؟ ہر قانون توڑا جا سکتا ہے، ہر قانون کے مستثنیات ہیں اور ہر شخص اپنے آپ کو مستثنیٰ بنا سکتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ ’’میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی‘‘ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ وہ راضی نہ ہوں تو بھی وہ قاضی غریب کو اُلّو بنانے کے لئے سَو جتن کر لیتے ہیں۔

پس اسلامی آئین بنانے (جس کے معنی ہیں اسلامی سوسائٹی بنانے) سے پہلے اسلامی فرد بنانا ہوگا ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ جو اسلامی فرد نہ ہوگا اُسے آئین اسلام سے کیا دلچسپی؟ جو ذاتی احکام پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں وہ کیوں قومی آئین کے لئے فکرمند ہوگا اگر وہ ایسا کرے گا

تو کسی ذاتی غرض کے لئے ، اس لئے وہ آئین اسلام نہ بنائے گا بلکہ آئین اسلام کے نام سے ایسا قانون بنائے گا جو اس کی ذات کے لئے مفید ہو۔ ایسا آئین یقیناً غیر اسلامی آئین سے بھی خطرناک ہوگا کیونکہ وہ سوسائٹی کے لئے بھی مضر ہوگا اور اسلام کو بھی بگاڑنے اور بدنام کرنے والا ہوگا۔

پس جب تک فرد اپنے ذاتی اعمال کو اسلام کے مطابق کرنے کے لئے تیار نہیں اسے کوئی حق نہیں کہ اسلامی آئین بنانے کا مطالبہ کرے یا دعویٰ کرے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دیکھے کہ اسلام کا آئین بنانے والے فردی قانونِ اسلام پر خود کار بند ہیں۔

اب میں تفصیل کو لیتا ہوں۔ اسلامی آئین کے جاری کرنے سے پہلے یہ سوچ لینا چاہئے کہ سُود حرام کرنا ہوگا، موجودہ سینما بند کرنے ہوں گے، اسلامی پردہ رائج کرنا ہوگا، شراب بند کرنی ہوگی۔ انشورنس حرام ہوگا، جو اصرف بازاری نہیں بلکہ اس کے مشابہہ کھیلیں بھی جو چانس گیمز کہلاتی ہیں منع ہوں گی، ڈاڑھیاں رکھی جائیں گی، مردوں کے لئے سونے کا زیور یا استعمال کی چیز، چاندی سونے کے برتن بلکہ تالیاں بجانا بھی منع کرنا ہوگا، جاندار کی مصوری اور ان تصویروں کی نمائش بھی ناجائز ہوگی۔ اگر مسلمان اس کے لئے تیار ہوں تو پھر وہ شوق سے اسلامی آئین جاری کریں لیکن اس کے لئے اس اعلان کی ضرورت نہیں کہ وہ اسلامی حکومت جاری کریں گے کیونکہ قرآن کریم تو صاف کہتا ہے کہ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ [۱۳] کیا مسلمان دوسری اقوام کو مجرم بنانا چاہتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی اجازت کو چھین لیں گے اور قرآنی حکم پر عمل ہوگا کہ ہر مذہب کے پیرو اپنے مذہب کے قانون کے مطابق عمل کریں گے تو پھر اس فتنہ کا دروازہ کھولنے کی کیا ضرورت ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو نقصان پہنچے یہ کیوں نہ کہا جائے کہ پاکستان میں مسلمانوں کے باہمی معاملات اسلام کے مطابق طے ہوں گے اور دوسرے مذاہب اگر چاہیں تو ان کے معاملات ان کے مذہب کے مطابق ورنہ ان کی کثرتِ رائے کے مطابق قانون بنا دیا جائے گا۔ ان الفاظ میں وہی مطلب حاصل ہوگا جو اسلامی حکومت کے لفظوں میں ہے لیکن کسی کو اعتراض کرنے یا بدلہ لینے کا حق نہیں ہوگا۔ غیر مذاہب میں سے جو اعلان کردیں کہ وہ اسلامی قانون یا

اُس کے فلاں حصہ کی پیروی کریں گے ان پر اسلامی قانون عائد کر دیا جائے گا۔

اب رہ جاتا ہے وہ حصہ قانون کا جو حکومت سے تعلق رکھتا ہے اس میں اسلامی قانون کی روشنی میں ملکی قانون بنایا جاسکتا ہے بہرحال اسلامی ملک میں مسلمانوں ہی کی زیادتی ہوگی اس طرح کوئی بھی جھگڑا پیدا نہیں ہوتا اور اسلام کا منشاء بھی پورے طور پر بغیر کسی کمی کے پورا ہو جاتا ہے ورنہ دشمن کو اشتعال ہو کر دوسرے مسلمانوں کو نقصان ہوتا ہے اور قرآن کریم فرماتا ہے

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ [۱۴]

اوپر کی تمہید کے بعد میں کہہ سکتا ہوں کہ اسلامی اصولوں کے مطابق بنائی ہوئی پارٹی کا نام سوشل ڈیموکریٹک انٹرنیشنل رکھا جاسکتا ہے اور اس کا وہ حصہ جو صرف مسلمانوں پر مشتمل ہو اسلامک سوشل ڈیموکریٹک انٹرنیشنل کہلا سکتا ہے۔

اسلامی نظامِ اقتصادی

اسلام کے اصول کے مطابق اصل مالک خدا تعالیٰ ہے اس نے سب چیزیں بنی نوع انسان کے لئے پیدا کی ہیں اس لئے ہر اک کی کمائی میں دوسروں کا حق ہے۔ وہ حق زکوٰۃ اور عشر اور خمس کے ذریعہ ادا کیا جاتا ہے جو حکومت لیتی اور غرباء پر استعمال کرتی ہے یا پبلک کاموں پر۔

اس روپیہ کے استعمال میں یہ امر مدنظر رکھا جاتا ہے کہ تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَاءِ هِمْ وَ تُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ [۱۵] مگر اس کے ساتھ یہ امر بھی کہ امیر و غریب کے کھانے، کپڑے کا انتظام حکومت کرتی ہے، راشن سسٹم ہر وقت جاری رہتا ہے خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اِس کا مؤیّد ہے۔ بحرین کا بادشاہ مسلمان ہوا تو آپ نے اُس کو لکھا کہ جن کے پاس زمین نہ ہو اُن کو چار درہم اور مناسب کپڑا بطور گزارہ دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے اسلامی احکام اور اس عمل کے مطابق ہر مسلمان کی خوراک و لباس کا انتظام کیا اور مفت راشن کا سسٹم جاری کیا مگر اس کے علاوہ احسان اور صدقہ کو بھی اسلام نہیں مٹاتا اور انفرادی ترقی کے راستے کھلے چھوڑتا ہے۔

زمین کی ملکیت کے بارہ میں اسلام نے ہرگز روک نہیں ڈالی جو حوالے پیش کئے جاتے ہیں وہ سرکاری زمین یا عطیاتِ سرکار یا غصبِ حُکام کے بارہ میں ہیں۔ ایک حوالہ بھی خرید کردہ یا ورثہ کی زمین کے متعلق نہیں ہے۔ انصار صحابہؓ نے خود نصف زمین دینی چاہی مگر مہاجرین نے

نہیں لی۔ فتوحات کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یا یہ زمین مہاجرین کے پاس رہنے دو یا اپنی نصف ان کو دے دو اور یہاں سے نصف لے لو۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ معاملہ بالکل جداگانہ ہے، یہ انصار کے شک کو دور کرنے کے لئے تھا اور اس میں کیا شک ہے کہ حکومت کا مال غرباء کے پاس جانا چاہئے۔ انصار نے جواب دیا کہ ہم دونوں باتوں پر راضی نہیں ہم یہ چاہتے ہیں کہ نئی آمدہ زمین مہاجرین کو ہی دی جائے اور ہماری زمین کا نصف بھی مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول نہ کیا۔

مساوات رکھنے کا اسلامی نظام (۱) زکوٰۃ (۲) سود کی ممانعت (۳) ورثہ (۴) برتھ کنٹرول کی ممانعت (۵) بھاؤ بڑھانے یا گھٹانے کو ناجائز قرار دیا۔ (۶) سادہ زندگی خوراک، لباس، رہائش اور زیور میں، تمام افراد کا کھانا کپڑا اور مکان حکومت کے ذمہ ہے۔ حکومت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ کسی قانون کے غلط استعمال پر اس قانون میں جزوی تبدیلی عارضی طور پر کر دے چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک وقت میں تین طلاق دینے والے کی تین طلاقوں کو تین ہی قرار دینے کا فیصلہ فرمایا حالانکہ اصل میں وہ تین نہیں بلکہ ایک ہی ہیں۔ آپ کی غرض شریعت کی حد بندیوں کو توڑنے والے کو سزا دینا تھی۔

اسلامی احکام کی خصوصیات عورت کے حقوق، اولاد کے حقوق، عوام کے حقوق، ملازموں کے حقوق، مجرموں کے حقوق، مساوات انسانی اور بین الاقوامی تعلقات پر روشنی ڈالی ہے دوسری شرائع اس بارہ میں خاموش ہیں۔

اسلام کے بعض اہم مسائل جن پر اعتراض کیا جاتا ہے۔

۱۔ **زنا کی سزا رجم بہت سخت ہے۔** اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں اس سزا کا ذکر نہیں قرآن کریم اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ [۱۶] زانی مرد یا زانی عورت کو سَو کوڑے لگاؤ اور جو جھوٹا الزام لگائے اُسے ۸۰ کوڑے لگاؤ ان دونوں حکموں کے بعد فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ [۱۷] پس یہ سَو کوڑے بھی فحش کی سزا ہیں ظاہر ہے کہ جو اس طرح زنا کرے گا کہ

چار گواہ اُس کے فعل کے مل سکیں گے وہ زنا سے زیادہ فحش کا مرتکب ہوگا اور فحش ہی کی یہ سزا ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ زنا کی کیا سزا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ زنا کی سزا خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے چنانچہ زانی کے متعلق فرماتا ہے **یَلْقَ اَثَامًا** [۱۸] یعنی وہ اپنے گناہ کی سزا خدا سے پائے گا ہاں زنا کو روکنے کے لئے شریعت اسلامیہ نے اس کے مبادی کو روکا ہے مثلاً غیر محرم مرد وعورت کے اختلاط کو روکا ہے۔

۲۔ چوری کی سزا قطع ید۔ وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا [۱۹] یہ سزا سخت بتائی جاتی ہے۔ جواب یہ سزا ہر چوری کی نہیں بلکہ اس کے لئے شرطیں ہیں۔

اوّل: چوری اہم ہو۔

دوم: بِلا ضرورت ہو یعنی عادۃً۔ طعام کی چوری پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سزا نہ دی۔ اسی طرح بھاگے ہوئے غلام کے متعلق ہے کہ ہاتھ نہ کاٹے جائیں گے جس کی یہ وجہ ہے کہ وہ کما نہیں سکتا اور بھوک سے مجبور ہے۔

سوم: توبہ سے پہلے گرفتار ہو تب سزا ملے گی۔

چہارم: مال چوری کر چکا ہو صرف کوشش سرقہ نہ ہو۔

پنجم: اس کی چوری مشتبہ نہ ہو یعنی اشتراکِ مال کا مدعی نہ ہو، جن کے گھر سے چوری کرے وہ اس کے عزیز یا متعلق نہ ہوں جن پر اُس کا حق ہو (بیت المال کی چوری پر حضرت عمرؓ نے سزا نہ دی) مثلاً کسی مذہبی جنون کے ماتحت ہو۔ جیسے بُت چرا لینا۔ یہ مذہبی دیوانگی کہلائے گی اور حکومت تعزیری کارروائی کرے گی ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ دی جائے گی یا جوشِ انتقام میں چوری کرے جیسے جانوروں کی چوری کرتے ہیں یا جبراً چوری کرائی جائے۔

ششم: وہ شخص نابالغ نہ ہو۔

ہفتم: عقلمند ہو بیوقوف یا فاتر العقل نہ ہو۔

ہشتم: اُس پر اصطلاحِ چور کا اطلاق ہو سکتا ہو۔ چور سے مال واپس دِلوایا جائے گا۔

۳۔ ڈاکہ، بغاوت اور ارتدادِ باغیانہ کی سزا قتل ہے۔ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا

اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَ اَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ [20] اس میں چار الگ سزائیں بتائی ہیں۔ یہ سزائیں جرم کی نوعیت کے لحاظ سے ہیں اگر ایسے لوگ ساتھ قتل کرتے ہوں تو قتل کئے جائیں گے، صلیب دیتے ہوں تو صلیب دیئے جائیں گے، ہاتھ پاؤں کاٹتے ہوں تو ان سے یہی کیا جائے گا، محض دنگا فساد کرتے ہوں تو قید یا جلا وطنی کی سزا دی جائے گی اس پر کیا اعتراض ہے؟ اگر مسلمان یہی معاملہ غیر اسلامی حکومت میں کرے اور اس سے یہی سلوک ہو تو مسلمانوں کو کیا اعتراض؟

سوال یہ ہے کہ باغی کافی تھا مرتد کو کیوں شامل کیا؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ مرتد کا ذکر اس لئے ضروری تھا کہ وہ جنگی سپاہیوں کے حق کا مطالبہ نہ کرے جو باوجود قتل کے قاتل نہیں بن جاتے اور قتل نہیں کئے جاتے۔ مرتد کے قتل کے خلاف یہ بھی دلیل ہے کہ پھر اُن کو بھی حق پہنچتا ہے لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ میں اس حق کی طرف اشارہ ہے۔

۴۔ **غلامی** اسلام میں نہیں جنگی قیدیوں کا ذکر ہے اور اُن کے بارہ میں حکم ہے اِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَھَا [21] اور جس کو فداء حاصل نہ ہو اُس کے لئے ''کتابت'' کا حکم ہے پس غلامی کی کوئی صورت بھی موجود نہیں۔ جنگی قیدیوں کا ذکر ہے جو ہر زمانہ میں پکڑے جاتے ہیں اور ہر حکومت پکڑتی ہے اس کے علاوہ بھی اسلام نے قیدیوں کی آزادی کے مختلف حکم دیئے ہیں۔

قصاص قتل اس میں معافی کی اجازت ہے خواہ خطا کی دیت ہو خواہ عمد کی سزا ہو مگر حکومت شرارت میں دخل دے گی۔

قصاص اعضاء مار پیٹ کا وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ [22] وغیرہ۔ ہاں جلانے کی اجازت نہیں نہ ہتک کرنیکی۔ اس قسم کی سزا کا ہونا امن کے لئے ضروری ہے مگر اس میں بھی عفو یا دیت جائز ہے اور عمد کی شرط ہے ہاں قاضی دباؤ اور ڈر کی صورت میں معافی کو برطرف کر سکتا ہے۔

ملزم کی تعذیب بلکہ مجرم کی بھی جائز نہیں۔ اسے روکنے کے لئے اقرارِ جرم کے بعد انکارِ جرم کو جائز رکھا گیا ہے۔ جبری جرم، جرم نہیں بلکہ جرم کروانے والا مجرم ہے۔

حکومت عوام کی ہے۔ انتخاب ضروری ہے، ریفرنڈم بھی اسلام سے ثابت ہے اور مشورہ بواسطہ نمائندگان بھی اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰٓى أَهْلِهَا ۙ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ [۲۳] وَ أَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ [۲۴] وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ [۲۵] اور پھر حدیث نبویؐ لَاخِلَافَةَ اِلَّا بِالْمَشْوَرَةِ [۲۶] اس بارہ میں مشعلِ راہ ہیں۔

مزدوروں کے متعلق احکامِ اسلامی مزدور کی مزدوری فوراً ادا ہو، اُس پر سختی نہ کی جائے، اُس سے وہ کام نہ لیا جائے جو انسان خود نہ کرے، اس کی مزدوری کا جھگڑا حکومت کے ذریعہ چکایا جاسکتا ہے۔

بین الاقوامی جھگڑوں کے متعلق لیگ آف نیشنز کا اصول مقرر فرمایا ہے فرماتا ہے وَإِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَإِنْ بَغَتْ إِحْدٰىهُمَا عَلَى الْأُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ إِلٰٓى أَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَإِنْ فَآءَتْ فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ أَقْسِطُوْا ۖ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ [۲۷]

۱۔ جب دو قومیں لڑیں تو دوسری اقوام مل کر اُن میں صلح کرائیں۔

۲۔ اگر کوئی فریق صلح پر راضی نہ ہو تو دوسری سب اقوام اُس کی مدد کریں جو صلح پر آمادہ ہے اور جنگ کرنے والی قوم سے لڑیں۔

۳۔ جب جنگ کرنے والی قوم جنگ بند کر دے تو یہ بھی جنگ بند کر دیں۔

۴۔ اس کے بعد پھر اصل جھگڑے کے متعلق باہمی تصفیہ کیا جائے۔

۵۔ بوجہ اس کے کہ ایک قوم نے پہلے صلح پر رضامندی ظاہر نہ کی تھی اُس سے سختی نہ کی جائے بلکہ تنازع کا فیصلہ انصاف سے کیا جائے۔

اِس وقت مسلمانوں میں مفتی ہیں لیکن مقنن اور قاضی نہیں ہیں اور ادھر حکم ہے كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ [۲۸] آہستگی سے دین کو جاری کرو یعنی اسلامی قانون کو جاری کرنے میں نہایت غور اور فکر اور سہولت کی ضرورت ہے مگر بہت سے احکام فوراً جاری کئے جاسکتے ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ جاری نہ کئے جائیں۔ مجلس قانون ساز کے متعلق دِقت یہ ہے کہ اسلام ہر شخص کا

عالمِ دین ہونا ضروری قرار دیتا ہے لیکن اِس زمانہ میں عیسائیوں کی طرح علماء اور عوام کا الگ الگ فرقہ بن گیا ہے اِس مشکل کو کون فوراً حل کرسکتا ہے کہ مقنن، اقتصادی ماہر، اور سیاسی ماہر دین نہیں جانتے۔ دین جاننے والے مقنن اقتصادی ماہر اور سیاسی ماہر نہیں ہیں منہ سے دعویٰ کرنا اور بات ہے مگر حقیقت یہی ہے حالانکہ ہمارے آقا جرنیل بھی تھے، اقتصادی ماہر بھی، سیاسی ماہر بھی، مقنن بھی تھے، مفتی بھی تھے اور قاضی بھی تھے۔ فِدَاکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

(تاریخ احمدیت جلد ۱۱ صفحہ ۴۲۵)

---

۱ المائدہ: ۴ ۲ الحجر: ۳ ۳ المائدہ: ۱۰۲
۴ البقرۃ: ۱۳۰ ۵ البقرۃ: ۲۸۷ ۶ المائدہ: ۴۸
۷ المائدہ: ۴۴ ۸ المائدہ: ۴۹ ۹ ص: ۲۵
۱۰ الحشر: ۸ ۱۱ النحل: ۹۳ ۱۲ المائدہ: ۱۰۶
۱۳ المائدہ: ۴۵ ۱۴ الانعام: ۱۰۹
۱۵ بخاری کتاب الزکوٰۃ باب وجوب الزکوٰۃ
۱۶ النور: ۳ ۱۷ النور: ۲۰ ۱۸ الفرقان: ۶۹
۱۹ المائدہ: ۳۹ ۲۰ المائدہ: ۳۴ ۲۱ محمد: ۵
۲۲ المائدہ: ۴۶ ۲۳ النساء: ۵۹ ۲۴ الشوریٰ: ۳۹
۲۵ اٰل عمران: ۱۶۰
۲۶ کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۶۴۸۔ مطبوعہ حلب ۱۹۷۱ء میں بِالْمَشْوَرَۃِ کی بجائے عَنْ مَشْوَرَۃٍ کے الفاظ ہیں۔
۲۷ الحُجُرات: ۱۰ ۲۸ اٰل عمران: ۸۰